مثنوی ''در ہجو خانہ خود''---ایک جائزہ

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن میو

Dr. Atta-ur-Rehman Meo,

Associate Professor, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Mir is uncrowned king of ghazal but he also has tried in every genre of poetry. One of them is masnavi. Mir has written at least 37 masnavis. They present the true depiction of the norms and culture of that time.one of them is "DAR HAJVE KHANA-E- KHUD", in which Mir has made his house the subject and described its destruction. It is not only a reflection of Mir's grief and anguish but also the story of the troubles that befell the middle class in the moonsoon season. In this article, an attempt has been made to briefly review this masnavi from various aspects.

اردو مثنوی کی تاریخ اپنے اندر بڑی جاذبیت رکھتی ہے۔اردو ادب کی تاریخ کا جائزہ اس بات پر دال ہے کہ اردو ادب سے پہلے اردو مثنویوں نے شاعری کو اپنے طلسم میں جکڑ کر لوگوں کے لیے تفریحِ طبع کا سامان پیدا کیا۔ جہاں اردو غزل کی آبیاری اور اس کی سرداری میں میر تقی میرؔ سرفہرست ہیں، وہیں عبدالباری آسیؔ، میرؔ کو مولوی عبدالسلام کے حوالے سے مثنویات کا موجد قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک ان کی مثنویاں زبان و بیان اور تہذیب و ثقافت کا عمدہ نمونہ ہیں۔انھوں نے بے ساختہ انداز میں اپنی تخلیقی قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی زبان کا جادو جگایا ہے۔ان کی زبان انتہائی سادہ، رواں اور آورد سے پاک ہے۔انہیں کی بدولت مثنوی کو ترقی نصیب ہوئی۔

نثار احمد فاروقی کے مطابق میرؔ نے کم و بیش ۳۷ مثنویاں لکھی ہیں۔میرؔ کی مثنویاں:

۱۔مختصر ہیں۔

۲۔ان کا بنیادی موضوع عشق ہے۔

۳۔مثنویوں کی زبان سادہ دلکش اور پرکشش ہے۔

۴۔ان میں جذباتی کیفیت ہے۔

۵۔بہت سی مثنویوں کا مرکزی کردار، خود میرؔ ہیں۔(۱)

میرؔ نے قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، واسوخت، شہر آشوب غرض سب کچھ لکھا ہے اور ان تمام اصناف میں میرؔ نے زبان و بیان کے گل بوٹے تراشے ہیں۔مثنوی کی صنف بیانیہ شاعری یا مسلسل اور مربوط داستان کی ترسیل کا ذریعہ ہے اور میرؔ کو مثنوی کی

زبان پر قدرت حاصل تھی۔ میرؔ درویش صفت انسان تھے۔ڈاکٹر اسلم فرخی میرؔ کی زندگی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''میرؔ طبعاً درویش تھے، مسکین تھے۔صبر و رضا، توکل اور قناعت ان کا شعار تھا۔ دنیا کی بے ثباتی، انقلاب زمانہ اور نیرنگی دوراں کا تجربہ انھیں نوعمری میں ہو گیا تھا۔ اپنوں کو پرایا ہوتے دیکھنا، بنی کا بگڑ جانا، یہ سب میرؔ کے الم ناک ذاتی مشاہدات میں شامل تھا۔ سیاسی انتشار، بدنظمی، اور اہلِ کمال کی بے وقعتی نے انھیں اور زیادہ متاثر کیا۔ ذاتی حالات الم انگیز، معاشرتی حالات غم خیز، سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا۔ سچا شاعر اپنی بپتا کو آفاقی صداقت کے روپ میں ڈھال کر پیش کرتا ہے۔ میرؔ نے بھی یہی کیا، ان کی شاعری شخصیت اور حالات کا بہترین اظہار ہے۔''(۲)

میرؔ نے شمالی ہند میں مثنویوں کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا اور انھی کی بدولت شمالی ہندوستان میں مثنوی کو ترقی ہوئی۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے میرؔ کی ۲۵ مثنویاں گنوائی ہیں جب کہ خواجہ نثار احمد فاروقی نے میرؔ کی ۳۷ مثنویوں کا ذکر کیا ہے۔ اس بحث میں پڑے بغیر کہ میرؔ کی مثنویاں ۲۵ ہیں یا ۳۷، اصل بات یہ ہے کہ میرؔ کی کوئی بھی مثنوی ندرت وجدت سے خالی نہیں۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اپنے عہد کی مروج یا مستعمل زبان کو اپنی شاعری میں برمحل اور برجستہ استعمال کیا اور عوام کے جذبات کی ترجمانی کی۔ خواجہ الطاف حسین حالیؔ، میرؔ کی مثنویوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''باوجودیکہ میرؔ کی عمر غزل گوئی میں گزری ہے۔ مثنوی میں بھی بیان کے انتظام اور تسلسل کو انھوں نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور مطالب کو بہت خوبی سے ادا کیا ہے۔ جیسا کہ ایک مشاق اور ماہر استاد کر سکتا ہے۔ اس کے سوا صاف اور عمدہ شعر میں بھی میرؔ کی مثنوی میں بمقابلہ ان کے اشعار کے جن میں پرانے محاورے ہیں یا فارسیت غالب ہے کچھ کم نہیں ہیں۔ صدہا اشعار میرؔ کی مثنوی کے آج تک لوگوں کی زبان زد عام چلے آتے ہیں۔''(۳)

میرؔ کی مثنویاں اخلاقی نوعیت کی ہیں۔ کسی میں وہ جھوٹ بولنے والے کی مذمت کرتے دکھائی دیتے ہیں اور کسی میں بڑ ہانکنے والے کو آئینہ دکھاتے ہیں۔ کسی مثنوی میں وہ کتوں سے ذوق رکھنے والے کی ذم کرتے ہیں۔ ان مثنویوں میں کردار نگاری یک رخی ہے۔ منظر نگاری، تمثیل نگاری، مکالمہ نگاری یا پلاٹ کی تنظیم یا بناوٹ کے لحاظ سے یہ مثنویاں ہمارے لیے اخلاقی درس سموئے ہوئے ہیں۔ انھیں داستان گوئی کے ابتدائی نمونے بھی کہہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ میرؔ کی مثنوی نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میر تقی میرؔ نے مختلف موضوعات پر مثنویاں لکھی ہیں۔ جن میں عشقیہ مثنویوں کے علاوہ مثنوی مذمت دنیا، ننگ نامہ، اژدر نامہ، مذمت برشگال، ہجو خانہ خود، کذب، شکار نامہ، مرغ بازاں، ہولی، سگ و گربہ وغیرہ، خاص طور اہم ہیں۔ یہ مثنویاں اپنے موضوعات کے تنوع، انداز بیان کی سادگی اور بے ساختگی کی وجہ سے مثنوی نگاری کی صنف میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ مثنوی کی شکل میں یہ شاعرانہ اعتبار سے نہایت خوبصورت نظمیں ہیں۔''(۴)

میؔر کی مثنویوں میں ایک مثنوی ''در ہجو خانہ خود'' ہے۔ مثنوی کیا ہے، میؔر کے دل کے پھپھولے ہیں جنہیں پھوڑ کر میؔر نے اپنے احباب، عزیزو اقارب، شہر کے مقتدر افراد اور ارباب بست و اقتدار کو اپنی بے بسی اور مسلسل برسات کی بدولت جو گھر کی تباہی و بربادی ہے، اس کی عملی شکل دکھاتے ہیں۔ یہ مثنوی انتہائی دلچسپ نتائج کی حامل ہے۔ مثنوی کیا ہے، میؔر جیسے لوگوں کی مکانیت کا سماجی و تہذیبی مطالعہ ہے۔ میؔر نے اس مثنوی میں کلام شاعر بزبان شاعر اپنے گھر کی خستہ حالی کا نقشہ کھینچا ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ بظاہر میں دلّی میں رہتا ہوں جو عالم میں ایک انتخاب ہے لیکن میری حالت خانہ بدوشوں سے بھی بدتر ہے وہ مثنوی میں اسکا اظہار یوں کرتے ہیں:

ایک چھپر ہے شہرہ دلی کا   جیسے روضہ ہو شیخ چلّی کا(۵)

میؔر کی یہ مثنوی خاصی مشہور ہے۔ جس میں میؔر نے اپنے سماج کا حقیقی نقشہ کھینچا ہے اور یہ بتایا ہے کہ میرؔ نے جس سماج میں زندگی بسر کی اس میں میؔر جیسے نابغہ کی اقتصادی حالت اس قدر دگرگوں تھی۔ کہنے کو میؔر کو غزل کا بادشاہ کہا جاتا ہے اور میؔر کے عہد میں اور بعد میں آنے والے شعرا نے انہیں ''خدائے سخن'' کہا ہے لیکن میؔر نے جس کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزاری، اس سے کسی کو کوئی علاقہ نہ تھا۔ میؔر کی مثنوی ''در ہجو خانہ خود'' کی روشنی میں میؔر کے مکان کا نقشہ اس طرح سامنے آتا ہے کہ میؔر کا مکان چھپروں پر مشتمل تھا۔ برسات میں میؔر کے گھر کی حالت انتہائی خستہ و خراب ہو جاتی تھی۔ گھر میں جگہ جگہ مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے۔ چھپر کے بانس جھینگروں کی خوراک بن کر کھوکھلے ہو چکے ہوتے تھے۔ گھر کا صحن یا آنگن کچا تھا۔ برسات کے موسم میں کیچڑ اور گندگی کا نمونہ پیش کرتا تھا۔ اس کی وجہ سے گھر کے اندر چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا تھا۔ یہی حال میر کے گھر کے اطراف میں جانے والے راستوں کا تھا کہ کیچڑ اور تالاب کا نقشہ پیش کرتے تھے۔ مسلسل برسات کی بنا پر چھتیں ٹپکتی رہتی تھیں جس سے گھر کا بستر بوریا تک محفوظ نہ رہتا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی سوکھی جگہ گھر میں بچتی تھی جہاں چھپڑوں سے ٹپکنے والے پانی سے بچاؤ کی کوئی صورت نکل سکے۔ نثار احمد فاروقی اس مثنوی کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''یہ ہجو کا کوئی موضوع نہیں تھا کیوں کہ برسات تو ہمیشہ آتی ہی رہی ہے، آج بھی آتی ہے، یہ نہیں کہ اسے زمانہ میؔر کے ساتھ کچھ خصوصیت ہو۔ یہ دراصل اس دور کے حفظان صحت اور شہری صفائی کے ذمہ دار محکموں کی ہجو ہے۔ جو اتنے کمزور اور بے عمل تھے کہ عوامی رفاہ کا کوئی کام ان سے بن نہ پڑتا تھا۔ عام حالات میں شہر کی سڑکوں کے دشوار گزار ہونے یا گھروں کے تکلیف دہ ہونے کا احساس نہ ہوتا تھا۔ مگر جب موسم برسات آتا تھا تو سارے شہر کی حالت خراب ہو جاتی تھی اور ہر شخص دوسرے سے کٹ کر رہ جاتا تھا۔''(۶)

میؔر کی مثنوی در ہجو خانہ خود لسانی حوالے سے بڑی اہم ہے۔ میؔر نے اس میں ہندی پراکرتیں اور میواتی الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں جو اس دور میں دلّی اور گرد و نواح میں بولے جاتے تھے۔ زبان و بیان کے یہ قدیم نمونے آج بھی دلّی اور گرد و نواح سے ہجرت کر کے پاکستان آنے والے بزرگوں کی زبان سے سنائی دیتے ہیں جنہیں سن کر اس دور کی مستعمل زبان کی مٹھاس، شیرینی اور حلاوت، سلاست و روانی کا پتہ چلتا ہے۔ زبان کے یہی نمونے ہمیں شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن (اردو) جسے انھوں نے ''موضح القرآن'' کا نام دیا ہے، میں بھی بکثرت پڑھنے اور دیکھنے کو ملتے ہیں۔ میر تقی میؔر کا سن وفات ۱۸۱۰ء ہے جب کہ شاہ عبدالقادر کا بھی یہی عہد ہے۔ یوں میؔر اور شاہ عبدالقادر کی زبان میں یکسانیت اور مشابہت کا پہلو نمایاں ہے۔ شاہ

عبدالقادر کا انتقال ۱۸۱۴ء کو دلی میں ہوا لیکن ان کا ترجمہ قرآن آج بھی مترجمین قرآن کے لیے اُردو میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

میؔر نے اس مثنوی میں جو میواتی رہندی الفاظ برتے ہیں ان کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

ماٹی، کیچ، سنپولیا، باؤتھوپا، کڑی تختے، منڈیر، کنگنی، پڑری، پودنا، بھنبھیری، تیتری، کھسکی، اکھڑے پکھڑے، کواڑ، پھونس، چھپر، مگری، ٹھیکرے، بان، چونچلے، کھٹولا، کھاٹ، پائے پٹی، چھنگلی، توشک، پنڈے، گھائی، ہتھیلی، پاکھے، کوٹھا، سانجھ۔

میؔر نے کس خوبصورتی سے ان الفاظ کو اپنے کلام میں موتیوں کی طرح پرویا ہے۔نمونے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی(۷)

مینھ میں کیوں نہ بھیگئے یک سر پھونس تو بھی نہیں ہے چھپر پر(۸)

ایک ہتھیلی پہ ایک گھائی میں سینکڑوں ایک چارپائی میں(۹)

اس دور کی زبان و بیان میں تراکیب و مرکبات کا استعمال کثرت سے کیا جاتا تھا۔میر نے اس مثنوی میں کئی تراکیب و مرکبات کا استعمال کیا ہے جو بذاتِ خود ایک داستان ہیں۔مثال کے طور پر چند درج ذیل ہیں:

تاریک و تیرہ، یوسف جان، دل عاشق، سام ابرص، ننگ خلق، بیش و کم، بودو باش، بے سرو مایہ، فرومایہ، جانِ محزوں، سی سالہ میؔر نے ان تراکیب کا استعمال اتنی مہارت سے کلام میں کیا ہے کہ زبان و بیان کا نہایت حسین امتزاج معلوم ہوتا ہے۔

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے سخت دل تنگ یوسفِ جاں ہے(۱۰)

آگے اس حجرے کے ہے اک ایوان وہی اس ننگ خلق کا ہے مکان(۱۱)

میؔر نے اپنی مثنوی میں انسانی جسم کے مختلف اعضا کا ذکر کیا ہے جن کی تفصیل درج ہیں:

آنکھیں، جی، پیکر، چھاتی، سر، پوریں، انگوٹھا، چھنگلی، انگلی، ناخن، کوریں، ہاتھ، ایڑیوں، پنڈے، منھ، ناک، کان، ہتھیلی

میؔر نے ان کو شعری پیکر میں یوں ڈھالا ہے:

ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں(۱۲)

آنکھ کھولی اِدھر ادھر دیکھا اس خرابی کو بھر نظر دیکھا(۱۳)

جہاں میؔر نے دوسری چیزوں کے التزام کا خیال رکھا ہے، وہیں مکانیت کے اجزا کو بھی پیش نظر رکھا ہے:

بوریا، حجرہ، چارپائی، ڈیوڑھی، کوٹھا، کوٹھری

ان کا اشعار میں استعمال ملاحظہ ہو:

بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو کونے ہی میں کھڑا رہا یک سو

ڈیوڑھی کی ہے یہ خوبی در ایسا چھپر اس چونچلے کا گھر ایسا(۱۴)

اس مثنوی میں پنکھ پکھیرو اورحشرات الارض کا بھی تفصیلی استعمال نظر آتا ہے:

گھونسوں، چوہے، چھچھوندر، مچھر، مکڑی، جھینگر، مکھی، سنپولیا، ہزار پائے، کھٹمل،
پڈری، طوطا، مینا، پودنا، بھنبھیری، تیتری، کوا، چیل، زاغ، کیڑا، مکوڑا، چڑیوں، کتے

تیتری یاں جو کوئی آتی ہے — جانِ محزوں نکل ہی جاتی ہے(۱۵)
طوطا مینا تو ایک بابت ہے — پودنا پھدکے تو قیامت ہے(۱۶)
کہیں گھر ہے کسو ، چھچھوندر کا — شور ہر کونے میں ہے مچھر کا(۱۷)

میؔر تکرارِلفظی کے ذریعے ایک صوتی فضا قائم کرنے میں ماہر ہیں۔ان الفاظ کا برمحل استعمال کلام میں نغمگی اور ترنم پیدا کر دیتا ہے۔اس مثنوی سے تکرارِلفظی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

لگ لگ، تھرتھر، لے لے کے، ایک ایک، جھڑجھڑ کے، ہولے ہولے، ہال ہال، لالا، پھاٹ
پھاٹ، کونے کونے، جھاڑتے جھاڑتے، عف عف، جز جز، سوسو

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک — کہیں جھڑجھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک(۱۸)
کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا — پانی جز جز میں اس کے بیٹھ گیا(۱۹)

محاورات کا برجستہ استعمال میؔر کے قادرالکلام شاعر ہونے پر دال ہیں۔

پامال ہونا، جھاڑ باندھنا، چال چلنا، جی ڈہنا، ہولی کھیلنا، خیلا ہونا، شاق گزرنا، ردا رکھنا،
جالے لٹکنا، بندھن گلنا، ضد کرنا، پوریں گھسنا، سلسلانا، ایڑیاں رگڑنا، چولیں نکلنا، دتکارنا،
آسمان ٹوٹنا، خاک میں ملنا، فرصت دینا، بوجھل ہونا، کوٹھا بیٹھنا، چارنا چار پھرنا، آنکھ لگنا، کڑی
اٹھانا، آسمان پھٹنا، آہ کھینچنا، طاق پھوٹنا۔

ان محاورات کا کلامِ میر میں تصرف ملاحظہ ہو:

مجھ سے کیا واقعی ہوا چارا — آسماں جو پھٹے تو کیا چارا(۲۰)
ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے — دوڑے اچھلے کہ ہال ہال چلے(۲۱)
ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا — شاق گزرے ہے کیا کہوں کیسا(۲۲)
کھٹملوں سے سیاہ ہے سوبھی — چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی(۲۳)
داشت کی کوٹھری میں لا رکھا — گھر کا غم طاق پر اٹھا رکھا(۲۴)
ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں — ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں(۲۵)
ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے — کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے(۲۶)

میؔر کے عہد میں لفظوں کو جوڑ کر لکھنے کا رواج تھا۔یہی چلن ہمیں میؔر کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔

ایدھر، اودھر، پہونچے، جبتلک، ہمخانہ، دوستداروں، اسطرف، دنرات دلتنگ، ہینگی، ڈھانکو،
کھاوے، بھیگیے، شبکو، مینہوں

اس مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں کہ یہ بیانِ میر میں کس طرح مستعمل ہیں۔

آہ کھینچی خرابی کیا کیا نہ — تھے جو ہم سائے وے ہیں ہمخانہ(۲۷)

بانس کی جا دیے تھے سرکنڈے سووے مینھوں میں سب ہوئے ٹھنڈے (۴۸)

میؔر کی مثنوی ’’درہجو خانہ خود‘‘ ۱۱۹ اشعار پر مشتمل ہے جس میں ۳۰ سے زائد الفاظ میواتی یا ہندی زبان کے ہیں۔ہم ان الفاظ کو ہندی پراکرتیں بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ الفاظ علاقہ میوات میں بکثرت بولے جاتے ہیں۔میر کو چونکہ دلّی سے خاص انسیت تھی۔دلّی اور اس کے گردونواح میں بولے جانے والے الفاظ میؔر کے لیے کشش کا حامل تھے کیوں کہ ان الفاظ میں جو شیرینی و حلاوت ہے وہ دوسری زبانوں میں کم دکھائی دیتی ہے۔دوسری اہم بات یہ کہ یہ تمام الفاظ اس دور کے عام آدمی کی بول چال کے ہیں، میؔر نے ان الفاظ کو استعمال کر کے گویا عام آدمی کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔اسی طرح میؔر نے ۲۵ کے قریب پنکھ پکھیرو اور حشرات الارض کو اس دور کی بولی جانے والی زبان کے طور پر برتا ہے کہ کس طرح یہ حشرات الارض اور پنکھ پکھیرو انسان کے لئے آزار کا باعث بنتے ہیں اور انسان کی زندگی کی خوشیوں کو ملیا میٹ کرتے ہیں۔میؔر نے اپنی اس مثنوی میں انسانی اعضا کی ترجمانی کرتے ہوئے ۲۱ سے زائد ان اعضا کا تذکرہ کیا ہے جن سے نئی نسل نابلد ہے کہ پوریں کسے کہتے ہیں، چھنگلی کیا ہوتی ہے،گھائی قدیم زبان میں کس اعضا کے لیے مستعمل تھا۔اسی طرح میؔر نے مکانیت کے اجزا کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے۔آج ہمارے کان سنگل بیڈ، ڈبل بیڈ کے الفاظ سے تو مانوس ہیں لیکن کھاٹ ،کھٹولا ، یسے الفاظ ہماری ساعت سے نہیں ٹکراتے۔اسی لیے یہ الفاظ ہمارے لیے نامانوس دکھائی دیتے ہیں۔

میؔر نے مثنوی کے اشعار کو تراکیب و مرکبات سے مرصع کیا اور ساتھ ہی محاورات کے برمحل اور برجستہ استعمال سے ایک صوتی آہنگ پیدا کیا ہے۔استعمال کیے گئے محاورات کی تعداد ۴۰ سے زائد ہے۔اسی طرح میؔر نے تکرار لفظی سے جو موسیقیت اور غنائیت پیدا کی ہے وہ بے مثال ہے۔میؔر نے اپنی شاعری میں رسم الخط اور املا کے نمونے پیش کر کے اس عہد کی نثر کی عکاسی کی ہے۔ میؔر کی مثنوی ’’درہجو خانہ خود‘‘ کی زبان و بیان اگرچہ سادہ اور رواں ہے، اس کے باوجود اس کی بہتر تفہیم کے لیے فرہنگ شامل مضمون ہے، تاکہ قارئین اور ادب کے طلبا و طالبات اس کے معانی و مفاہیم آسانی سے سمجھ سکیں اور میؔر شناسی کی یہ روایت آگے بڑھتی رہے۔

فرہنگ

الفاظ	معانی
حباب	بلبلہ
زنداں	قید خانہ
سقف	چھت
مدام	ہمیشہ
چکش	ٹپکاؤ
باؤ	ہوا
چھوپا	تھوپا، گارا تھوپنا
چلپاسہ	چھپکلی
پڈری	ایک چھوٹی چڑیا

پودنا	ایک چھوٹا سا پرندہ
مضطر	بے چین
ہوّا	واہمہ
زاغ	بزدل، کوا
سان کر	گارا بنا کر
ڈہا	گر پڑا
پاکھے	پہلو، دیوار
ادلتی	تبدیلی
گھوس	بڑا چوہا
جھاڑ باندھا	مسلسل بارش ہونا
ایواں	مکان، ہال
حجرہ	کمرہ
تیتری	تتلی
دھکی	بیٹھنا، پریشانی
تنک	نازک، کمزور
بام	چھت
در	دروازہ
توشک	روئی دار بستر
فرومایہ	مفلس
لونی	وہ نمناک مٹی جو شوریت کے سبب دیوار سے جھڑ جاتی ہے
کنگنی	ایک قسم کا چکنا اور چھوٹا اناج جسے اکثر پڑیوں کو کھلاتے ہیں
شتاب	جھٹ پٹ
صحنک	چھوٹا طباق، رکابی
خیلا	لغو، بیہودہ، احمق
سلسلایا	نرم نرم کھجلی ہونا، کھجلانا

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کی یہ میؔر کی مثنوی نہیں ہے، اس عہد کے طرزِ حکمرانی پر گہرا طنز ہے۔ جس میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کی میؔر جیسا شاعر جس کی چاردانگ عالم شہرت ہے اور نامور لوگ اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں لیکن

اس کی زندگی گزارنے کا رنگ ڈھنگ انتہائی ابتر ہے۔ غالبؔ نے کہا تھا کہ برسات کا موسم شروع ہوتے ہی ہر طرف پانی ہی پانی دکھائی دیتا ہے اور میرا گھر کشتیء نوح کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو پانی میں تیر رہا ہو۔ جبکہ میرؔ کا گھر تو برسات میں درو دیوار سے عاری ہو جاتا ہے اور آوارہ کتے اسے اپنی گزرگاہ بنا لیتے ہیں۔ میرؔ ان کتوں کو دھتکارتے ہوئے تھک جاتے ہیں۔ کتوں کی ٹولیاں عف عف کرکے میرؔ کا مغز کھاتی ہیں اور میرؔ بے چارے ان کے شور شرابے کے سامنے بے بس ہیں۔ میرؔ نے اپنے گھر کو ایک تاریک قید خانے سے تشبیہ دی ہے جیسے جیل میں کسی موت کے قیدی کو بے یارو مددگار کال کوٹھری میں بند کر دیا جاتا ہے، جہاں اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ میرؔ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ مسلسل برسات نے میرؔ کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے اور ان کے پاس اتنی بھی جگہ نہیں جہاں وہ کچھ لمحے سکھ کے گزار سکیں۔ میرؔ کے عہد کو تو ہم غیر ترقی یافتہ دور کہہ کر آنکھیں بند کر سکتے ہیں لیکن آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کچھ ایسی ہی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ ۲۰۲۰ء کے برسات کے موسم میں کراچی میں جو تباہی دیکھنے کو ملی، اس تباہی نے میرؔ کے عہد کی یاد تازہ کر دی کہ لوگ بے یارو مددگار برسات کے پانی میں گھرے ہوئے صاف پانی پینے کو بھی ترس گئے اور اپنے گھروں میں برسات کے پانی کی وجہ سے جمی ہوئی کیچ، ماٹی، گارا، کیچڑ، گندگی کے ڈھیر صاف کرتے کرتے ہانپنے لگے۔ اہل اقتدار طفل تسلیاں دے کر عوام کی اشک شوئی کا سامان کرتے رہے لیکن عوام پر جو بپتا برسات نے ڈھائی تھی اس کا مداوا نہ کر سکے۔ عہد کوئی بھی ہو، متوسط طبقے کے مسائل ہر عہد میں ایک سے ہوتے ہیں۔ جن سے نبرد آزما ہونا اور عام آدمی کے لیے سہولتیں فراہم کرنا اہل اقتدار کی پہلی ترجیح ہونی چاہیئے لیکن انھیں اپنے ٹھاٹ باٹ کے علاوہ عوام کے مسائل سے کچھ سروکار نہیں۔ میرؔ کی مثنوی ''در ہجو خانہ خود''، میرؔ کے دکھوں کی داستان نہیں بلکہ میرؔ کے عہد کے معاشرے سے لے کر آج تک کے معاشرے کی ایک مشترکہ المیہ داستان ہے جو اپنے باطن میں بہت سے المیوں کو سموئے ہوئے ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نثار احمد فاروقی، تلاش میر، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو طبع اول، ۱۹۷۴ء، ص: ۲۰۹

۲۔ ڈاکٹر اسلم فرخی، www.rekhta.com

۳۔ حالی، الطاف حسین، خواجہ، مقدمہ شعر و شاعری، لکھنو: الناظر پریس، س ن، ص: ۱۹۰

۴۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، میر تقی میرؔ، لاہور: ادارہ ادب و تنقید، ۱۹۸۰ء، ص: ۵۴

۵۔ میر تقی میرؔ، کلیات میر، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، کراچی: اردو دنیا، ۱۹۵۸ء، ص: ۱۰۱۱

۶۔ نثار احمد فاروقی، تلاش میر، ص: ۲۱۱

۷۔ میر تقی میرؔ، کلیات میر، ص: ۱۰۰۸

۸۔ ایضاً، ص: ۱۰۱۱

۹۔ ایضاً، ص: ۱۰۱۲

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۰۰۸

۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۰۰۹

۱۲۔ ایضاً، ص: ۱۰۱۲

۱۳۔ ایضاً، ص: ۱۰۱۳

۱۴۔ ایضاً،ص:۱۰۱۱

۱۵۔ ایضاً،ص:۱۰۱۰

۱۶۔ ایضاً،ص:۱۰۱۱

۱۷۔ ایضاً،ص:۱۰۰۹

۱۸۔ ایضاً،ص:۱۰۰۹

۱۹۔ ایضاً،ص:۱۰۱۳

۲۰۔ ایضاً،ص:۱۰۱۱

۲۱۔ ایضاً،ص:۱۰۱۰

۲۲۔ ایضاً،ص:۱۰۱۰

۲۳۔ ایضاً،ص:۱۰۱۲

۲۴۔ ایضاً،ص:۱۰۱۳

۲۵۔ ایضاً،ص:۱۰۱۲

۲۶۔ ایضاً،ص:۱۰۱۲

۲۷۔ ایضاً،ص:۱۰۱۲

۲۸۔ ایضاً،ص:۱۰۱۱

☆......☆......☆